ڈاکٹر سبینہ اویس
استاد شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ
ڈاکٹر محمد افضال بٹ
صدر شعبہ اُردو،جی سی ویمن یونیورسٹی،سیالکوٹ

اختر جمال کی غیر افسانوی نثر

Dr. Sabiana Awais
Assistant Professor, Department of Urdu, GC Women University, Sialkot
Dr. Muhammad Afzal Butt
Chairperson Department of Urdu, GC Women University, Sialkot

Akhtar Jamal's Non-fiction Prose

Akhtar Jamal is known as a big name who grasps importance in terms of various genres of Urdu literature. Akhtar Jamal belonged to Bhopal and got reputation as a progressive lady. She got high valued revolutionary ideology due to her close association with famous and popular literary personalities. She also had great connection with progressive ideology. She had a long career of fifty years in the field of Urdu literature. It showed that she had deep relationship with literature and books. She presented various social, economic and political events through her fictions and highlighted burning issues of her time in a very descriptive way. She also wrote short plays and revealed difficulties faced by many famous writers and literary personalities. She exposed bitter realities of life in her fictions and presented them in a very beautiful picture. Akhtar Jamal also personified difficulties of life in her non-fictious literary work. This article will focus on non-fictious writings of Akhtar Jamal.

Key words: *Belonged, Reputation, Progressive, Ideology, Literature, Relationship, Highlighted.*

جدید اردو ادب میں اختر جمال ایک ایسا معتبر نام ہے جو ادب کی مختلف اصناف میں اہمیت کا حامل ہے۔ اختر جمال بھوپال کی ایک ترقّی پسند خاتون تخلیق کار تھیں ان کا تعلق ترقّی پسند تحریک سے تھا۔ ترقّی پسند نظریات سے

وابستگی اور مقبول و معروف ادبا و شعرا کی صحبت نے ان کی فکر کو جِلا بخشی۔

اختر جمال کا نثری سفر قریباً پچاس برسوں پر محیط ہے انھوں نے کٹھن حالات میں بھی قلم سے رشتہ منقطع نہ کیا یہ اُن کی تخلیق اور تخلیقی عمل سے گہری وابستگی کو عیاں کرتا ہے۔ انھوں نے افسانے تحریر کر کے اپنے دور کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات و واقعات کو پیش کیا۔ ناول کے ذریعے اپنے تاثّرات کا اظہار کیا۔ خاکوں کے ذریعے اردو ادب کی ادبی و غیر ادبی شخصیات کو متعارف کروایا۔ ان شخصیات کی زندگی کے اسرار و رموز سے قارئین کو آگاہ کیا۔ ناولٹ، رپورتاژ، مکاتیب لکھے، تراجم بھی کیے اور زندگی کے سماجی، سیاسی منظر نامے کو اپنی تخلیقات کا کینوس بنایا۔ انھوں نے زندگی کی سچائیوں کو دلکش انداز میں پیش کیا۔ اختر جمال بھوپال کے ایک متوسط خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد محمود الحسن اور والدہ دونوں کو ادب سے بہت لگاؤ تھا۔ دونوں اردو ادب کے رسائل کے مدیر تھے اس لیے ادب سے لگاؤ فطری تھا۔ گویا ادب سے محبّت گھٹی میں شامل تھی۔ جو روشن خیالی انھیں ورثے میں ملی تھی اُسے ان کے ہم سفر احسن علی خان کندن بنا دیا۔

اختر جمال نے باقاعدہ طور پر خاکہ نگاری کی صنف کو نہیں اپنایا، انھوں نے محض چند خاکے لکھے۔ ان میں بعض دلی جذبات سے مجبور ہو کر اور بعض کسی فرمائش کے تحت لکھے۔ اختر جمال کے تخلیق کردہ خاکوں کا مجموعہ بعنوان "ہری گھاس اور سُرخ گلاب" ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۹۲ میں منظرِ عام پر آیا۔ اسے مقبول اکیڈمی نے لاہور سے شائع کیا۔ اس مجموعے کا انتساب مصنفہ نے اپنی بہنوں اور بھائیوں کے نام معنون کیا ہے۔ ۲۱۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں دس خاکے شامل ہیں اس میں چھے خاکے خواتین کی شخصیت و فن پر مشتمل ہیں جب کہ چار خاکے مرد حضرات پر مشتمل ہیں مذکورہ مجموعے میں درج ذیل خاکے شامل ہیں:

۱-	ہری گھاس سُرخ گلاب	۲-	شاخِ گُل
۳-	فضیل بھائی کا آخری سفر	۴-	راکھی
۵-	آئینہ	۶-	عصمت آپا اسلام آباد میں
۷-	بی بی گل سے ایک مکالمہ	۸-	صفیہ آپا
۹-	راجندر سنگھ بیدی	۱۰-	سفید بادبان

پیش نظر مجموعے کے بیش تر خاکے مشاہیر ادب سے متعلق ہیں جِن سے انھیں خاص اُنس تھا۔ ان میں سے بیش تر خاکے "فنون"، "سیپ" اور "شاعر" میں بھی شائع ہوئے۔ اختر جمال نے اپنے مدوحین کو نہ صرف اپنی یادوں میں محفوظ کیا بل کہ ان عہد ساز شخصیات کو کتابی صورت میں بھی محفوظ کر لیا۔ زیر نظر مجموعہ کے خاکے ان دوستوں اور بزرگوں کی یاد میں لکھے گئے جِن کی موت نے اختر جمال کو دلی دُکھ دیا۔ اُن کی زندگی میں ان شخصیات کی جادوگری

انھیں متاثّر کرتی رہی۔ یہ عام شخصیات نہیں بل کہ اردو ادب کے درخشندہ ستارے ہیں مثلاً فیض احمد فیض، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، ممتاز شیریں اور محمد طُفیل وغیرہ۔

اگرچہ خاکہ نگاری میں کسی انسان کے خدّوخال کو اُجاگر کر کے اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ خاکہ نگار انسانی لغزشوں، انسانی عظمت کے تاثّرات کو شگفتہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ مصنف واقعات کی ترتیب اور شگفتہ انداز سے خاکے میں رنگ بھرتا ہے اور قاری یہ محسوس کرتے ہیں کہ جیسے وہ بالمشافہ ان کرداروں سے ملاقات کر رہا ہے۔ اختر جمال کی قوتِ مشاہدہ بہت تیز ہے انھوں نے نہایت ہنرمندی سے واقعات کی ترتیب کی ہے کہ خاکہ میں ایک تسلسل، پُر تجسس، افسانوی انداز ابتدا سے آخر تک قائم رہتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ کا اولین خاکہ بعنوان "ہری گھاس اور سُرخ گلاب" اختر جمال کی جواں مرگ بیٹی تزئین کی وفات کے بعد لکھا گیا۔ اس خاکے میں اختر جمال نے تزئین کی پیدائش سے وفات تک کے تمام حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔ اختر جمال نے جواں مرگ بیٹی کی اچانک وفات سے اس درد کو محسوس کیا جو روح کی گہرائیوں سے اُٹھتا ہے اور آسمان کی بلندیوں کو چھوتا ہوا جاتا ہے۔ مصنفہ نے اس درد و کرب میں اپنے قارئین کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ خاکہ ایک بہادر مصنفہ کی خوب صورت بیٹی کی محبت اور اس کے ساتھ گزرے خوبصورت لمحوں پر مشتمل ہے۔ اس خاکہ میں اختر جمال کے سوانحی رنگ کی گہری چھاپ بھی موجود ہے۔ اختر جمال کی ذاتی زندگی مختلف المیوں سے عبارت تھی۔ پیشِ نظر خاکے میں بڑے ذاتی سانحے کو مصنفہ نے شخصی استقامت اور مہارت سے اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ وہ درد و استقامت اور کرب سے کہہ دیتی ہیں۔

"جتنے دنوں کا ساتھ رہا اُتنے دنوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ماں کو لفظ نہیں مل رہے"۔ (۱)

پیشِ نظر مجموعے کا دوسرا خاکہ "شاخِ گل" میں مرزا غالب کی شاعری سے دلچسپی اور اُن کی شاعری سے محبّت کا واشگاف اظہار ملتا ہے۔ مصنفہ قوتِ متخیلہ کے بل بوتے پر غالب کو بھی مجسم صورت میں دیکھتی ہیں اور غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم سے بھی محبّت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی قلبی کیفیات کی ترجمانی بھی کرتی ہیں۔ اختر جمال نے واضح انداز میں غالب کی غزلوں سے رغبت کا اظہار درج ذیل اقتباس سے ہوتا ہے جو مصنفہ کے میاں احسن نے کہے:

> "تم دیوانِ غالب وضو کر کے پڑھتی ہو اس شخص نے تو ساری زندگی نماز بھی نہیں پڑھی تھی اب یہ کیسے سمجھائیں کہ اس شخص نے ساری زندگی فن کو عبادت بنالیا تھا۔ اسے نماز کے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ لفظ و معنی کا رشتہ جو سمجھایا ہے۔" (۲)

اختر جمال غالب کے ساتھ ساتھ امراؤ بیگم سے بھی شدید محبّت محسوس کرتی ہیں۔ وہ قوتِ متخیلہ کے بل بوتے پر ایک صدی قبل امراؤ بیگم کے باطن میں جھانکتی ہیں اور نہایت ادب سے اظہارِ خیال کرتی ہیں۔

"امراؤ بیگم غالب تو لفظ تھے اور لفظ و خدا ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ادب تک رہے گا اور لوگ چاہت کے اس سے بھی بڑے بڑے ٹوکرے اُٹھائے آپ کے پاس آتے رہیں گے۔ آپ جلتی رہیں غالب تو ایک کتاب ہیں۔ اس کتاب کے "جملہ حقوق" آپ کے نام ہیں مگر کتاب تو سب کی ہے۔ لوگ اسے مقدس وید کے ساتھ جگہ دیتے ہیں۔" (۳)

اختر جمال نے زیرِ نظر خاکے میں غالب، امراؤ بیگم، فیض احمد فیض، ایلس فیض اور جوش ملیح آبادی کی ذہنی عکاسی کو بھی الفاظ کی صورت میں پیش کیا ہے مثلاً جوش ملیح آبادی کے متعلق لکھتی ہیں:

"جوش صاحب کے ہاں انکار ہی انکار ہے۔ غزل سے انکار، خدا سے انکار! اگر اقرار ہے تو صرف اپنی ذات کا۔" (۴)

اختر جمال کا یہ خاکہ ایک تقریب میں پڑھا جانے والا مضمون ہے جو فیض کی رہائش گاہ پر ایک تقریب میں پڑھا گیا۔ پیشِ نظر مضمون نما خاکہ " غالب کی شاعری سے لگاؤ" امراؤ بیگم کے لیے محبّت بھرے جذبات، جوش ملیح آبادی کی یادوں کی برات پر تبصرہ سے ہوتا ہوا فیض کی شاعری اور ایلس کی زندگی کو دلچسپ انداز میں بیان کرتا ہے۔

محمد طُفیل اردو ادب کے مقبول خاکہ نگار، ادبی مجلّہ "نقوش" کے مدیر تھے۔ نقوش کا رسول ﷺ نمبر اُن کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ اردو رسائل و جرائد میں نقوش نمایاں حیثیت کا حامل مجلّہ تھا۔ ترقّی پسند ادب کی بہترین تخلیقات نقوش کے صفحات میں ملتی ہیں۔ نقوش میں تحریر شائع ہونا بڑا اعزاز تصور کیا جاتا تھا۔ زیرِ نظر خاکہ "محمد طُفیل کا آخری سفر" کے نام سے ہے۔ مصنفہ نے محمد طُفیل کی شخصیت کے گوشوں کو عیاں کیا ہے۔ اس خاکہ میں محمد طُفیل کے آخری سفر کی روداد کے علاوہ ٹی وی ڈراموں پر تبصرے، سیاست پر گفتگو، کرکٹ پر تبصرے، ادبی محفلوں کے تذکرے، ادا جعفری کی امریکا روانگی، قدرت اللہ شہاب سے ملاقات، محمد طُفیل کی عاجزی و انکساری، ممتاز شیریں اور جوش ملیح آبادی کی قبر پر فاتحہ خوانی کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے۔

کرشن چندر اردو ادب کے مقبول ادیب ہیں "راکھی" میں مصنفہ کی کرشن چندر کے لیے احترام، عقیدت، محبّت اور وضع داری واضح دِکھائی دیتی ہے۔ علاوہ ازیں کرشن چندر کی منکسر المزاجی، افسانہ سے متعلق ضروری معلومات، ترقّی پسند تحریک سے محبّت، ترقّی پسند تحریک کے اجلاس میں باقاعدہ شرکت، مشاعروں کی روداد، بھوپال کے قدرتی مناظر، ترقّی پسند ادبا و شعرا کی بھوپال آمد و رفت، سیاسی و سماجی مسائل کا تجزیہ علاوہ ازیں نئے ادبا کی حوصلہ افزائی، کرشن چندر کی ازدواجی زندگی، بیوی کا سگھڑاپہ، بچیوں کی حساس طبیعت، معاشی مسائل، ناشتے میں گرم پکوڑیاں، کرشن چندر کا فرش پر آئینہ رکھ کر شیو بنانا، مہمان نوازی، دہلی کی سیر و تفریح، کرشن چندر کی حسّاسیت، پاکستان سے محبّت، پنجاب سے لگاؤ اور لاہور سے اُنسیت واضح نظر آتی ہے۔ اس خاکے میں امن و آشتی کے پیغامبر

کرشن چندر اور عصمت چغتائی کے خوشگوار مراسم کا بھی ذکر ملتا ہے وہیں ان شخصیات سے متعلق ناگزیر معلومات بھی فراہم کرتی ہیں جن کو قاری جاننا چاہتا ہے۔ زیر نظر خاکہ کرشن چندر نمبر کے لیے لکھا گیا۔ اس لیے اس میں کرشن چندر سے بے پناہ محبّت و عقیدت کا اظہار نمایاں ہے۔ اسی بنا پر اسے تمام خوبیوں کا مرقع بنا دیا ہے۔ مصنفہ نے اپنی پسندیدہ شخصیت میں صرف خوبیاں تلاش کی ہیں جس کی وجہ سے خاکہ یک رُخا بن گیا ہے۔

ممتاز شیریں اردو افسانے میں منفرد انداز کی حامل ناقدانہ صلاحیتوں کی مالک تھی۔ زیرِ تحریر خاکے میں ان کی مصلحت آمیز شخصیت اور منافقت سے مبرا شخصیت کا نقش دلکشی سے اُبھارا ہے۔ مصنفہ نے ممتاز شیریں کا افسانہ "آئینہ" پڑھا۔ ممتاز شیریں سے ملاقات کے بعد وہ انھیں آئینے کے مانند صاف شفاف اُجلی نظر آئیں۔ اس لیے انھوں نے خاکے کا نام بھی "آئینہ" ہی تجویز کیا۔ آئینہ میں ممتاز شیریں کی خوش باش طبیعت، خوش گفتار مزاج، خوش اطوار صاف ستھرے کپڑے، طبیعت کی شائستگی کا ذکر دھیمے پن اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ پیشِ نظر خاکے میں جہاں قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کا دریا" پر تنقید ملتی ہے وہیں قرۃ العین حیدر کی نجی زندگی، ہندوستان واپسی، شعرا و ادبا کی تنگ دلی، دل آزاری کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ادبی برادری سے ممتاز شیریں کی محبّت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ وطنِ عزیز کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورتِ حالات کے حوالے سے کاکہ نگار کے تصورات الگ تھے وہ ایک ایسے اسلامی جمہوری معاشرے کے قیام کی خواہشمند ہیں جہاں معاشرے کے محروم طبقات کو بنیادی حقوق ملیں جہاں کوئی چہرہ افسردہ اور کوئی آنکھ نم نہ ہو۔ جہاں ہر چیز پُر سکون، شاداب اور طمانیت سے بھرپور ہو۔ ملکی حالات کی کشیدگی قتل و غارت نے اختر جمال کو شدید اعصابی تناو کا شکار کر دیا تو ممتاز شیریں بڑی بہن کی طرح انھیں سمجھاتی۔

"دوسروں کا غم کھانا اچھا ہے مگر دوسروں کا غم بالکل اوڑھ لینا اچھی بات نہیں ہے۔"(۵)

"ہری گھاس سرخ گلاب" کا چھٹا خاکہ "عصمت آپا اسلام آباد میں" ۱۹۷۶ میں تحریر کردہ اس خاکے میں اگرچہ عقیدت و محبّت کی دبیز تہہ موجود ہے اس کے باوجود اختر جمال شگفتگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی جس کے باعث بے تکلفی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ان خاکوں کا نمایاں وصف یہ ہے کہ ان میں موضوع شخصیت کے علاوہ ادب کی دیگر نامور ادبا و شعرا سے بھی ملاقات ہوتی ہے مثلاً عصمت چغتائی، قدرت اللہ شہاب، منشا یاد، ممتاز مفتی سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔ انھوں نے نہایت فنکاری سے ایک خاکہ میں ہی محولہ بالا تمام ادبی شخصیات کے اوصاف، نظریات، مشاغل، ادبی و غیر ادبی سرگرمیوں اور فکر کو بیان کیا ہے۔ کسی بھی شخصیت کو ہمدردانہ نقطۂ نظر سے دیکھنا اور اس میں موجود کمالات کو اُجاگر کرنا ہی خاکہ نگاری کا بنیادی تقاضا ہے۔ اس خاکے میں عصمت چغتائی کی شخصیت واضح نظر آتی ہے مثلاً اختر جمال کی رہائش گاہ پر دو نوجوان صحافی عصمت چغتائی کا انٹرویو لینے آئے۔ سوال و جواب کا دلچسپ سلسلہ جاری رہا جب انٹرویو ختم ہوا تو قریب بیٹھے ایک نوجوان نے عصمت چغتائی سے کہا کہ

"مجھے آپ سے محبّت ہو گئی ہے تو آپ کا ردِّ عمل کیا ہو گا۔"

"عصمت آپا نے جھک کر بڑی شفقت اور ممتا سے اُس کے رخسار پر بوسہ دیا اور وہ لڑکا شرما گیا۔" (۶)

خاکے کے لیے ضروری نہیں کہ موضوع کوئی مقبول و معروف شخصیت ہو یہ خاکہ نگار کے مذاقِ طبیعت پر منحصر ہے کہ اسے کسی بھی شخصیت کی کوئی بات متاثر کرتی ہے تو وہ اس شخصیت کو خاکے کا موضوع بنا سکتا ہے۔ "بی بی گل سے ایک مکالمہ" ایک انٹرویو تھا جو ظفر الحسن نے "بھائی کی کہانی بہن کی زبانی" کے عنوان سے رسالہ "غالب" کے "فیض نمبر" میں شائع کیا۔ بی بی گل مصنفہ کی دوست کی ماں اور فیض کی بہن تھی۔ یہ ایک حسین و جمل خاتون تھی جس کے چہرے پر عبادت و ریاضت کا نور تھا اور دل میں شفقت و محبّت کا بے پایاں جذبہ۔ یہ کہانی کی صورت میں دلچسپ ادبی باتیں کرنے والی خاتون تھیں۔ پیشِ نظر خاکے میں مشہور شاعر کے والد گرامی، والدہ محترمہ، فیض کے اہلِ خانہ، فیض کا بچپن، جوان کے مشاغل، جیل کی زندگی، ایلس کی وفا، ایثار اور محبّت کا ذکر دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

صفیہ اختر ترقّی پسند تحریک کے مقبول شاعر اسرار الحق مجاز کی بہن اور جاں نثار اختر کی اہلیہ تھیں۔ یہ اختر جمال کی پسندیدہ استاد اور بزرگ دوست بھی تھیں / اختر جمال طالب علمی کے دور سے ہی اس متحرک خاتون، سحر انگیز شخصیت سے بہت متاثر تھیں کیونکہ یہ ایک خلیق، سنجیدہ اور شائستہ پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق کی حامل، اردو سے محبّت کرنے والی خاتون تھیں۔ مصنفہ ان کی شفقت اور محبّت اور مشوروں کی بہت قدر کرتی۔ پیشِ نظر خاکے میں اسرار الحق مجاز کی لااُبالی طبیعت کے ساتھ ساتھ جاں نثار اختر کی زندگی کے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ صفیہ اختر اکثر اپنے میاں کے معاشی حالات سے پریشان رہتیں وہ اذیت میں مبتلا تھیں۔ یہ اذیت اُن کی روح میں زہر گھول رہی تھی۔ معاشی مسائل کی وجہ سے، مخدوش صحت کے باوجود سخت بیماری میں بھی نوکری کرتی رہیں۔ اگرچہ حالات نے ان کے اعصاب تباہ کر دیے تھے لیکن پھر بھی وہ بہادری سے زندگی کی خاطر موت سے لڑتی رہیں۔ مصنفہ صفیہ اختر کے ساتھ دیرینہ شناسائی اور دوستی تھی لیکن انسانیت، احترام اور تکلیف کی بہت باریک شیشے کی دیوار بھی موجود تھی۔ مصنفہ موضوع شخصیت کے نجی حالات سے بخوبی آگاہ تھیں ان کے خیال میں میدانِ سیاست میں مصیبتیں اُٹھانا آسان ہے لیکن صفیہ اختر کی طرح جذبات کا خون مسکرا کر پینا اور پیتے رہنا بہت مشکل ہے۔

راجندر سنگھ بیدی اردو ادب کے معروف ادیب ہیں مصنفہ نے بیدی کے خاکہ میں شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ بیدی کی نفاست پسندی، حاضر جوابی، فطری ذہانت کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ بیدی صاف گو اور کھرے ادیب تھے۔ وہ برِّصغیر پاک و ہند کی ایک نام ور ادبی شخصیت تھے۔ انھوں نے بے شمار نوخیز ادیبوں کی سرپرستی کی اور بڑے ایوارڈ اور خطابات سے نوازے گئے۔ خاکہ نگار اپنی ذاتی معمولات کی بنا پر

ان کی زندگی کے پوشیدہ گوشوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ علاوہ ازیں سوانحی معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ مثلاً بیشتر ادبا کی طرح بیدی بھی معاشی مسائل کا شکار ہے۔ انھوں نے افسانے لکھے، فلم کے لیے کہانیاں اور سکرپٹ لکھے۔ بیدی سراپا انکسار تھے وہ سادہ لباس زیبِ تن کرتے اور سادہ خوراک کے شوقین تھے۔ ادبی رسائل دیکھ کر خوش ہوتے۔ مصنف بیدی کو افسانے کی دنیا اس کی مملکت اور فن کا بادشاہ کہا ہے۔ مصنفہ اردو ادب کے افسانہ نگاروں کے متعلق اظہارِ خیال کرتی ہیں۔

"کرشن چندر کے پاس لفظ بادلوں کی طرح گھر کر آتے تھے اور اُن کا قلم رِم جھم شروع کر دیتا تھا۔ منٹو لفظوں کی تلاش میں بنوں میں مارامارا پھرتا اور اپنے پاؤں لہولہان کر کے لفظوں کے پھول کھلاتا۔ عصمت آرام سے گدی کی ٹیک لگائے بیٹھی رہتی اور اُن کے تیل رُوئی دُھنک دیتا ہے اور وہ لفظوں کے ابر میں مکالموں کی خوبصورت گوٹ لگا کر لحاف تیار کر لیتی ہیں۔ مگر بیدی سچائی کی تلاش میں انسان کے سمندر جیسے باطن میں اُتر کر کبھی موتی لے آتا اور کبھی صرف گرم کوٹ کی پھٹی ہوئی جیب اُس کے ہاتھ میں آتی۔ اس کا قلم لفظوں کی تراش خراش کے چکر میں نہ پڑتا اسے تو تھوڑے لفظوں میں لمبی بات سمجھانے کا فن آتا تھا۔ سیدھے سادے لفظ درکار ہوتے تھے۔ انسانی نفس کی تہ در تہ گتھیاں، امنگیں، خواہشیں اور جذبے جو بند تالوں میں تھے ایسے تالے جن کی چابیاں نہ تھیں۔ وہ ان تالوں کو بنا چابی کے کھولنے کا فن جانتا تھا۔ "لاجونتی"، "اپنے دُکھ مجھے دے دو"، "ایک چادر میلی سی"، "گرہن" اور "دانہ و دام" کی بہت سی کہانیاں اس کی اچھی مثالیں ہیں۔" (۷)

"ہری گھاس سُرخ گلاب" کا آخری خاکہ بعنوان "سفید بادبان" مصنفہ نے کرشن چندر کے خاکے میں ان کی عملی و ادبی شخصیت کو اُبھارنے کے ساتھ ساتھ ماضی سے محبّت، پاکستان سے خصوصی لگاؤ کو پیش کیا ہے۔ مصنفہ کی کرشن چندر سے دلی وابستگی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے خاکہ بعنوان "راکھی" بعد ازاں "سفید بابان" میں کرشن چندر کی محبّت، خلوص، شفقت، شخصیت اور فن کو بیان کیا۔ اختر جمال ایک صاف گو اور پُراعتماد لکھاری تھیں ان خاکوں میں ہجرت کا دُکھ، مسلم تہذیب کی جھلکیاں، ادبی منظر نامہ، ادبی گروہ بندیوں، ادبا و شعرا کے مسائل، ملکی سیاست، نجی حالات و واقعات، غرضے کہ زندگی کے نمایاں پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر پیشِ نظر خاکے ان دوستوں اور بزرگوں کی یاد میں لکھے گئے جن کی بے وقت موت نے مصنفہ کو ذہنی درد و کرب میں مبتلا رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ خاکے خاکے نہیں بل کہ عظمت نامے معلوم ہوتے ہیں۔ اختر جمال لکھتی ہیں:

"گزرے دنوں کے سب خوب صورت لمحے کاغذی ہیں۔" (۸)

اختر جمال محولہ بالا شخصیات کی تصویر کشی میں مصنفہ کی اپنی شخصیت، مزاج اور سوانحی حالات بھی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ خاکہ نگار کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے کسی ایک واقعہ میں بھی اپنے ممدوح کو تنہا نہیں چھوڑا۔ مصنفہ نے ان خاکوں میں اپنے دور کے ملکی، سیاسی ادبا و شعرا کے خانگی، معاشی حالات بیان کیے ہیں جو زیادہ تر پردۂ اخفا میں تھے۔ بہت کم لوگ جانتے تھے کہ شہرت کے آسمان پر چمکنے والے ستارے بیش بہا گردشوں سے گزرے۔ ان سوانحی مرقعوں سے اختر جمال کی سوانح عمری بآسانی تراشی جاسکتی ہے انھوں نے اپنے ممدوحین میں ذاتی حوالوں کو شامل کر کے انھیں زندہ کردار بنا دیا۔

خاکہ نگاری اگرچہ کسی شخصیت کو تمام معائب و محاسن سمیت قارئین کی عدالت میں پیش کرنے کا نام ہے بل کہ خاکہ لکھا ہی اس لیے جاتا ہے جس سے محبّت کا تعلق ہو، اس لیے خاکے کا انداز عموماً ہمدردانہ ہوتا ہے۔ اختر جمال نے بھی جن شخصیات کے خاکے تحریر کیے ہیں ان شخصیات کے انتخاب میں بھی اپنے تعلق کو ہی معیار بنایا ہے لیکن فن کے ساتھ صداقت کا ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے کے قریباً تمام خاکوں میں محبّت، شفقت، اپنائیت نظر آتی ہے۔ ان خاکوں میں تشنہ تمنا ایک ایسا مدہم درد و غم پیدا کرتی ہے جس میں ہلکی ہلکی کسک اور ملال ہے مگر خاکہ نگار کی شخصیت اپنے پورے خدّوخال کے ساتھ موجود ہے۔ مصنفہ ان خاکوں میں یادِ ماضی کے ساتھ جُڑی ہیں ان میں عہدِ ماضی کے لمحوں کی آرزو ہے۔ ان لمحات کو دوبارہ دیکھنے کی خواہشمند ہیں جو وقت کی گرد میں کہیں دب کر رہ گئے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے میں اختر جمال نے صاحب مضمون کے علاوہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل، انسانی فطرت، اس کے نفسی کوائف، کائنات اور انسان کے باہمی تعلق، قاری، نقاد، ادیب کے مسائل، ادب پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ یہ خاکے انسان کو رموزِ حیات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ خاکہ نگاری بصیرت آموز نگاہ کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اختر جمال کے یہ خاکے ان کی زندگی کے طویل تجربے کی ریاضت کے حامل ہیں۔ جاوید شاہین اپنے مضمون "اختر جمال کچھ یادیں کچھ باتیں" میں لکھتے ہیں:

> "یہ سارے خاکے نہایت حقیقی ہونے کے باوجود اتنے دلکش ہیں کہ ان پر افسانوں کا گمان ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں حیرت انگیز نکتوں کی فراوانی، انسانی نفسیات کی گرہ کشائی، تقابلی اشارے، دلچسپ مشاہدات کہیں کہیں مزاح کی رنگینی، کچھ چھیڑ چھاڑ، الغرض انہی تانوں بانوں سے ایک جیتی جاگتی شخصیت نظروں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔" (۹)

زیرِ نظر مجموعے کے خاکے اگرچہ مقدار کے لحاظ سے کم ہیں یہ خاکہ نگاری کی صفت پر بھی مکمل طور پر پورے نہیں اُترتے کیونکہ یہ کسی تقریب میں پڑھے جانے والے مضامین ہیں جو اختر جمال کے احساس و کیفیات کے

عکاس ہیں۔ باوجود اس کے یہ مضمون نما خاکے مصنفہ کے تخلیقی حوالے کو اعتبار بخشتے ہیں۔ اختر جمال اردو ادب کی مقبول شخصیات کے شخصی و فنی عیوب و محاسن کو منظر عام پر لے کر آئیں اُن تمام اُمور کو جو ادب کا ایک سنجیدہ قاری جاننے کا خواہشمند ہے۔

اختر جمال نے ایک ناولٹ بعنوان ''کرزن ہال'' لکھا۔ یہ ناولٹ ایک مخصوص ماحول، کلچر، طالب علموں اور اساتذہ کی نفسیات پر مشتمل ہے۔ اس میں رشیوں اور نوابوں کے بچے زیرِ تعلیم ہیں۔ ''کرزن ہال'' میں تعلیم دلانے کا مقصد بچوں کو انگریز نما بنانا ہے۔ ایسے امرا کے بچے بھی زیرِ تعلیم ہیں جن کی تعلیم کا مقصد بچوں کو آئی سی ایس کروانا ہے تاکہ وہ اپنے ہم وطنوں پر رعب داب کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ یہ ناولٹ مصنفہ کے انقلابی تصورات کا اظہار بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس ناولٹ میں انگریزی اور ہندوستان اور بیرونی ممالک میں مقیم ادبا و شعرا کے علاوہ سیاسی افراد مثلاً پنڈت نہرو، ماؤزے تنگ، کینیڈی، ونسٹن چرچل، ابوالکلام آزاد، پریم چند اور مہاتما گاندھی کے سیاسی نظریات کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ اختر جمال چونکہ درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہیں انھوں نے تدریس کے مسائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ والدین اور بچوں کی نفسیات سے بھی آگاہ کیا ہے، جو بچوں کو انگریزی سے محبّت اور اردو کو نظر انداز کرنے کا درس دیتے ہیں۔ مصنفہ ناولٹ کے ذریعے چھوٹے بچوں کو اپنے کام سے محبّت، ذمہ داری کا احساس، تعلیم سے محبّت اور اپنے فرض سے لگاؤ کی تعلیم دیتی ہیں۔ اختر جمال نے بہت سے امور اپنے ذاتی مشاہدے اور عملی تجربے کی بنا پر بیان کیے ہیں کہ پانچ سے سات برس تک بچوں کو کہانیوں، قصوں اور حکایتوں کے ذریعے اخلاقی تعلیم دی جاتی ہے ان کو بہادری، ایثار، غیرت، فرض شناسی اور حب الوطنی سکھائی جانی چاہیے۔ مہنگے سکولوں میں بچوں کے لباس، جوتوں پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے لیکن ان کے اخلاق، عادات اور تربیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے سکولوں کا المیہ یہ ہے کہ بچوں کے اخلاق و عادات سنوارنے کے بجائے ظاہری حلیے پر توجہ دی جاتی ہے اختر جمال نے زیرِ نظر ناولٹ کے ذریعے یہ باور کروایا ہے کہ بعض امیر والدین اپنے بچوں کو مہنگے سکولوں میں داخل کروا کر یہ بھول جاتے ہیں کہ بچوں کی اخلاقی تربیت میں اساتذہ کے ساتھ ساتھ والدین بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

کسی شخص کے مزاج، افکار، نظریات اور میلانات کی تفہیم میں مکاتیب اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ مکاتیب فرد کی زندگی کے بے نقاب گوشوں کو منظر عام پر لاتے ہیں لیکن جب یہ خطوط کسی علمی و ادبی شخصیت کے ہوں تو تاریخی، ادبی، علمی اور سوانحی حالات و واقعات اور مختلف کیفیات کو بھی منظرِ عام پر لاتے ہیں کیونکہ مکتوب الیہ بلا خوف اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار کرتا ہے جس سے اس کی حقیقی زندگی کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ مکاتیب کو شخصیت کا آئینہ کہا گیا ہے کسی بھی شخصیت کے نہاں گوشوں تک رسائی خطوط کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ اختر جمال نے مقبول اکیڈمی کے مالک ملک مقبول احمد کو خطوط لکھے۔ ان خطوط میں کہیں شائع کردہ کتب کا تحفہ موصول ہونے پر

شکریہ ادا کیا ہے تو کہیں کتابت اور طباعت کی تعریف کی ہے۔ کہیں زیرِ ترتیب کتب کا تذکرہ ہے تو کہیں کتاب کے نئے ایڈیشن کی طباعت پر شرائط کا ذکر۔ کہیں مخدوش صحت کا ذکر ہے تو کہیں خط کا جواب تاخیر سے دینے کی معذرت کا اظہار۔ مکاتیب مصنفہ کی شخصیت و مزاج سے متعارف کروانے کے علاوہ دیگر ادبی نکات اور ادبی صورتِ حالات کا منظر نامہ بھی پیش کرتے ہیں۔ لکھتی ہیں:

"مجھے تو آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ آپ نے میری کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں دلچسپی اور ایک بہت اچھا انتظام کر دیا۔ اس سے پہلے "ایماندار ناشر" کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہ تھا۔"(۱۰)

ادبی و کاروباری نوعیت کے ان خطوط سے اختر جمال کے ادبی نظریات بھی واضح ہوتے ہیں۔ یہ مکاتیب اردو ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ یہ خطوط مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلق کی وضاحت و نوعیت کے علاوہ ان کی ادبی سرگرمیوں، ادبی معیار اور ادب سے لگاؤ کا پتہ بھی دیتے ہیں۔

رپورتاژ اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے اس میں زندگی کے ہر پہلو، واقعہ یا حادثہ کے متعلق لکھا جا سکتا ہے۔ رپورتاژ نگار عینی شاہد کی صورت میں واقعہ میں بذاتِ خود بھی موجود ہوتا ہے اور اپنی معلومات دوسروں تک بھی پہنچانا چاہتا ہے۔ یعنی جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتا ہے بلکہ واقعے میں شریک ہونے والے دیگر اشخاص کے دلوں میں جھانکنے کی کوشش بھی کرتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے مِن و عَن بیان کر دیتا ہے۔ رپورتاژ کا انحصار صداقت پر مبنی ہوتا ہے۔ طلعت گل لکھتی ہیں:

"رپورتاژ دراصل قاری کو افسانے کی تصوراتی اور رومانی زمین سے الگ کر کے سچائی یا حقیقت کی سخت اور پتھریلی زمین پر کھڑا کر دیتی ہے۔ رپورتاژ نگار نے اس سچ کو موضوع بنایا ہے جو زندگی کی عام ڈگر پر چلتے ہوئے اور کبھی عام ڈگر سے ہٹ کر غیر معمولی انداز میں مصنف کے سامنے آتا ہے۔"(۱۱)

اختر جمال نے ایک رپورتاژ بعنوان "بھوپوشیما" لکھا۔ یہ رپورتاژ نقوش کے سالنامہ ستمبر ۱۹۸۶ میں شائع ہوا۔ بعد ازاں اختر جمال نے یہی رپورتاژ افسانوی مجموعے "سمجھوتا ایکسپریس" میں بھی شامل کیا۔ مصنفہ نے یہ رپورتاژ بھوپال کے ایٹمی پلانٹ کے المیے کی یاد میں لکھا۔ پیشِ نظر رپورتاژ انفرادیت نوعیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کی بھرپور عکاسی بھی کرتا ہے۔

یہ رپورتاژان تمام انسانوں کے جذبات، احساسات کی عکاسی کرتا ہے جو اس فساد سے متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان لکھتے ہیں:

بھوپوشیما اختر جمال کی ایک مؤثر دلآویز مختصر رپورتاژ ہے جس پر افسانوی رنگ کی گہری چھاپ نظر آتی ہے..... یہ نہایت فنکارانہ انداز میں لکھی گئی اور جذبات کی آنچ میں تپی ایک ہلا جلا دینے والی تحریر ہے۔"(۱۲)

اختر جمال نے مہارت سے اس رپورتاژ کے پلاٹ کی بُنت کاری ہے۔ پیشِ نظر رپورتاژ بھوپال کے ایٹمی پلانٹ کے المیے کی یاد میں لکھی ہے۔ زیرِ نظر رپورتاژ میں ایک تصوراتی کردار "نرتکی" ہے اس کردار کے ذریعے مصنفہ نے اس حقیقی واقعے کی المناکیوں کو بیان کیا ہے۔ڈاکٹر ظہور احمد اعوان لکھتے ہیں:

"رپورتاژ چشم دید واقعات کی رپورٹ ہوتی ہے مگر یہ واقعہ مصنفہ کے سامنے اس طرح نہیں رونما ہوا نہ وہ اس کی براہِ راست شاہد تھیں۔ یہ واقعہ اخبارات، تصاویر اور فلموں کے ذریعے ہندوستان بل کہ دنیا بھر کے سب انسانوں نے اجتماعی طور پر دیکھا۔ یہ ہندوستان کے سب باشندوں کی مشترکہ یادداشت اور مشاہدات کا حصہ ہے۔ مگر مصنفہ نے اس انداز سے اس حقیقی واقعے کو اپنی پوری کیفیات، تفصیلات کے ساتھ بارِ دگر تخلیق کیا کہ معلوم ہوتا ہے جیسے مصنفہ اور اس کے فرضی کردار نرتکی اس برپا ہونے والی قیامتِ صغریٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں مصنفہ کا تاریخ اور دیومالا کا علم بڑا گہرا اور وسیع ہے اس لیے اس نے اس کہانی کو تاریخی حوالوں سے گوندھ کر ایک جہانِ معنی تعمیر کر دیا ہے۔اس کا اسلوب جمال کیفیات کا حامل اور افسانہ طرازی کی بے پناہ خوبصورتیاں لیے ہوئے ہے۔"(۱۳)

اختر جمال ماضی کو بیان کرتے ہوئے بعض اوقات حال سے یکسر غافل ہو جاتی ہیں۔ وہ جیتے جاگتے حقیقی کرداروں کے ارد گرد واقعات کا تانا بانا بنتی ہیں۔ ان کا اندازِ بیاں صاف اور دلکش ہے۔ رپورتاژ کے مطالعہ کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی قصہ گو قصہ سنا رہا ہو اور رپورتاژ کے اختتام پر قاری پر سحر طاری رہتا ہے۔ بھوپوشیما ایک جامع تحریر ہے اختر جمال نے اس دور کے بین الاقوامی ادبی واقعات پر تبصرہ بھی کیا ہے بلکہ ادبی، سیاسی و سماجی حالات پر لکھا ہے۔اس سے مصنفہ کی وسیع النظیر اور سیاسی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ زیرِ نظر رپورتاژ انسانیت سوز واقعات، گلی کوچوں میں خون کی ہولی کھیلنے والے عناصر کو منظرِ عام پر لاتی ہے جس کی بدولت لاشوں کے انبار لگ گئے۔ کئی خواتین کے سہاگ لُٹ گئے، کئی معصوم بچے شفقتِ پدری سے محروم ہو ہوئے۔ تباہی و بربادی کا بھیانک منظر سامنے آیا کہ جب زبانِ قلم وا ہوئی تو شعر و ادب ان انسانیت سوز واقعات پر نوحہ خوانی کا ذریعہ بنا۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان لکھتے ہیں:

"اس طرح خوابوں، خیالوں اور تصورات کے اندر ہی یہ تاریخی دستاویزی افسانوی رپورتاژ اپنے اختتام کو پہنچی۔ مصنفہ نے ایک ان دیکھے اور صرف سُنے اور پڑھے ہوئے واقعے سے ایسی خوبصورت رپورتاژ مرتب کر کے رپورتاژ نگاری کا ایک نیا ڈیزائن، اسلوب اور انداز دے دیا ہے۔"(۱۴)

اختر جمال نے ایک ریڈیائی تمثیل "حوا بیسویں صدی میں" لکھی۔ یہ تمثیل نقوش کے شمارہ نمبر ۸۹ اگست ۱۹۶۱ میں شائع ہوا۔ یہ ریڈیائی تمثیل تین کرداروں حوا، آدم اور سانپ پر مشتمل ہے۔ پیشِ نظر تمثیل میں حوا آدم کے ساتھ زمین پر سیر و تفریح کی غرض سے آتی ہے تو وہ دنیا میں مثبت ترقیاں دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے۔ حوا ہوائی جہاز کو چیل اور ریل کی پٹڑی کو سانپ کے بچے کہہ کر پکارتی ہے تو سانپ نہ صرف اس کی اصلاح کرتا ہے بلکہ دورِ حاضر میں انسان کی علمی و سائنسی ترقی کے متعلق آگاہ کرتا ہے اور حوا اپنے بچوں کی کامیابی و کامرانی پر بہت خوش ہوتی ہے اور عالم سرشار میں کہتی ہے:

"مجھے یہ دنیا بڑی اچھی لگ رہی ہے۔ کاش مَیں ایک بار پھر دنیا میں پیدا ہو سکتی ..... ان روشنیوں میں رہ سکتی۔ ان لڑکیوں کی طرح کتابیں ہاتھ میں لے کر پڑھنے جاتی اور ان رقص گاہوں میں گا اور ناچ سکتی! میری اولاد نے کتنی ترقی کی ہے۔" (۱۵)

حوا جب اس دنیا کی خوبصورتیوں، رنگینیوں کی تعریف کرتی ہے، فخریہ انداز میں ارتقا کی سیڑھیاں طے کرنے والے انسان کی جدوجہد اور محنت کو سراہتی ہے تو سانپ ایک تلخ حقیقت حوا کو بتاتا ہے کہ اب یہ انسان زلف و کاکل کا اسیر نہیں رہا بلکہ اب وہ پیسے روپے کی محبّت میں گرفتار ہے۔ حوا جہاں بنی نوعِ انسان کی ایجادات پر ناز کرتی ہے وہیں دنیا کی خوبصورتیوں کو ویرانوں میں بدلنے والے ایٹم بم کی ایجاد سے پریشان ہے۔ اختر جمال ایک حسّاس فنکار کی طرح عصری مسائل، انسانی ایجادات، انسانی ترجیحات کو مکالمے تناسب و توازن سے پیش کیے ہیں۔

اختر جمال نے بڑی مہارت سے وضاحت طلب امور کو بھی بیان کیا ہے انھوں نے آدم و حوا ذریعے بنی نوعِ انسان کو امن و آشتی کا پیام دیا ہے۔ انھوں نے ایٹمی اثاثوں کی موجودگی کو عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دیا ہے۔ وہ بم کی ایجاد، اس کے استعمال اور اس کے نقصانات پر مغموم ہیں۔

اختر جمال نے "بابِ عفت" کے نام سے ایک ڈرامے کا ترجمہ کیا یہ ایک قدیم چینی کہانی ہے اس کہانی کے مصنف سن یو تانگ ہیں اور اسے Famous Stories of Clima میں شامل کیا گیا ہے۔ اختر جمال اس کہانی کو ڈرامائی صورت میں پیش کیا۔ پیشِ نظر افسانہ میں اختر جمال نے چند تبدیلیاں کی ہیں جو افسانہ کو ڈرامے کی صورت عطا کرنے کے لیے ناگزیر تھیں۔ "بابِ عفت" ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت کے بیان پر مشتمل ہے۔ ہیو کے

مسائل کو بیان کیا ہے مسز وین بیس برس کی عمر میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ بیٹی، بیسوا کی شادی کے بعد یہ تنہائی کا شکار ہو جاتی ہے۔ بادشاہ مسز وین کے لیے ایک محل نما "بابِ عفت" تعمیر کرواتا ہے کہ جو خواتین نوجوانی میں بیوہ ہوئیں لیکن اپنے خاندان کی عزت و حُرمت پر آنچ نہ آنے دی انھیں اس کا صلہ "بابِ عفت" کی صورت میں ملتا ہے۔ لیکن مسز وین کے دل میں نسوانی جذبات بیدار ہوتے ہیں وہ اپنے وفادار ملازم چانگ سے شادی کا اظہار کرتی ہے جب چانگ ان کے لیے تعمیر ہونے والے محل "بابِ عفت" کے متعلق استفسار کرتا ہے تو مسز وین جواب دیتی ہیں:

"او بابِ عفت کا ذکر چھوڑو..... مجھے تمھاری ضرورت ہے! ہم دونوں بڑھاپے تک خوشی اور سکھ سے ساتھ رہیں گے مجھے لوگوں کے کہنے سننے کی بھی پروا نہیں ہے۔ مَیں نے بیس برس بیوگی کے کاٹے ہیں۔ یہ میرے لیے کافی ہیں دوسری عورتوں کو بابِ عفت کا حق دار بننے دو۔ اس بابِ عفت میں چاہتی (کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنا سر چانگ کی چھاتی سے لگا دیتی ہے) میں بابِ عفت میں چاہتی۔" (۱۶)

"بابِ عفت" میں ایک بیوہ عورت کے جذبات کی عکاسی عمدگی سے کی گئی ہے جو بیس برس سے بیوہ ہے۔ تنہائی کا شکار عورت ایسے جیون ساتھی کی تلاش میں ہے جو اُس کی تنہائیوں کا ساتھی ہو۔ جو اس کے جذبات و احساسات کا قدر دان ہو۔ زندگی کے ہر قدم پر اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھنے والی اور عفت مآب عورتوں کا تذکرہ کرنے والی اب لوگوں کی باتوں کی بھی پروا نہیں کرتی۔ اختر جمال نے فنی مہارت سے کہانی کو ڈراما کی صورت میں ڈھالا ہے کہ ڈرامے پر طبع زاد کا گماں ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اختر جمال نے یہ تمام دلکشی مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بنا بریں ہمہ اختر جمال نے چینی افراد کے پُر خلوص جذبہ، ان کی سادگی، محبّت اور مہمان نوازی کو بھی دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

اختر جمال کو افسانوی اور غیر افسانوی نثر میں فطری مٹھاس، گرم جوشی اور تحسین موجود ہے جو قاری کو خود اپنی جانب ملتفت کرتی ہے۔ پیشِ نظر تحریریں جہاں مصنفہ کی اپنی خوشگوار شخصیت کا عکس پیش کرتی ہیں وہیں یہ استدلال کی قوت، ایجاز و اختصار کی چاشنی، عام بول چال کا آہنگ، حسیت، لب و لہجہ، ذہنی، فکری اور فنی بصیرت کے ساتھ ساتھ خلوص و ہمدردی کا جذبہ بھی رکھتی ہیں۔ اختر جمال نے نہایت ہنر مندی سے بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں سے دلچسپ اور فکر انگیز باتیں تراشی ہیں۔ اختر جمال کی غیر افسانوی نثری تحریریں اپنے اسلوب اور رواں دواں طرزِ تحریر کی بدولت دلچسپی کی حامل ہیں۔ یہ تحریریں اپنی جامعیت، پُر مغز معلومات کی بدولت اردو خاکہ نگاری میں خوبصورت اضافہ ہیں۔ ان کی یہ تحریریں جہاں سیاسی، معاشرتی، معاشی مسائل کو منظرِ عام پر لاتی ہیں وہیں زندگی کے بہت سے رنگ اپنی بہار دِکھاتے ہیں۔ ان کی یہ تحریریں ایک طرف سبز موسموں کی خوش کُن نوید دیتے ہیں تو دوسری جانب

زرد پتوں کا نوحہ بھی ہے جو شدید آندھی طوفان کے موسم میں شاخ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اختر جمال نے محولہ بالا تحریروں میں زندگی کی تلخ صداقتوں کو خلوص سے برتا اور اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بیان کیا۔ ان کی زبان صاف، شستہ، رواں ہے کہ قاری کے سامنے واقعات اور مناظر کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔

اختر جمال کی تحریر غیر افسانوی نثر میں ان کی باریک بینی، قوتِ مشاہدہ اور جزئیات نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ان کی تحریریں ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے سماجی، تاریخی اور ادبی رجحانات کی عکاسی بھی ہیں۔ اس لیے کبھی یہ اپنی ذات اور گھریلو زندگی کے دائرے سے نکل کر آفاق کی لامحدود وسعتوں میں گم ہونے کی خواہاں نظر آتی ہیں۔ یہی تمنّا انھیں مختلف سمتوں میں قدم اٹھانے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور وہ کبھی ناول نگار بن کر، کبھی افسانہ نویس بن کر لوگوں کے حالات و واقعات کو منظر عام پر لاتی ہیں، کبھی رپورتاژ نگار بن کر من پسند واقعات بیان کرتی ہیں، کبھی کرداروں کی زبانی اپنا کتھارسس کرتی ہیں اور کبھی دیگر نثری نگارشات کی بدولت اپنے جذبات و احساسات کو انفرادیت عطا کرتی ہیں۔ اختر جمال کے ادبی نظریات کا مقصد معاشرے میں موجود ایسے تمام عناصر کو بدلنا ہے جس میں بہت کچھ ظالمانہ ہے وہ بچپن سے خود غرضی، ذات پات کی تفریق، سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ نظام کی پیدا کردہ معاشرتی زندگی اور اس کے تفاوت کو ناپسند کرتی تھیں۔ اختر جمال ادب میں تین عناصر سچائی، مقصدیت اور خوب صورتی کی قائل تھیں۔ وہ رومان کی اس روایتی پہلو سے گریزاں تھیں جو جذبات کو برانگیختہ کرنے کا کام دے۔

اختر جمال نے اپنی غیر افسانوی نثر میں مصائب و آلام کے تھپیڑے کھاتی ہوئی زندگی کو پیش کیا۔ انھوں نے مایوسی کے اندھیروں سے امکانات کے اجالوں تک جس جس انداز سے زندگی کو دیکھا، جس طرح محسوس کیا اپنی نگارشات میں پیش کر دیا۔ اختر جمال کی نگارشات میں ان کی زندگی عکس در عکس بکھری نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں محولہ بالا تحریروں میں تخلیق کار کا درد و کرب بھی واضح دکھائی دیتا ہے۔ اختر جمال کا نام اردو ادب میں ترقی پسند تخلیق کار کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ انھوں نے ادب کی متفرق اصناف میں خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے غیر افسانوی تحریروں میں تاریخ کو محفوظ کیا اور اپنے فکرِ جمیل کی روشنی بکھیر دی جس سے نووارد ادبا استفادہ کر رہے ہیں۔ اختر جمال نے اپنی تحریروں میں زندگی کے بیش تر گوشوں سے نقاب کشائی کی۔ ان کی ہشت پہلو شخصیت، فکر و نظر، نظریات، تجربات و مشاہدات، تخلیقی پیش خیمہ بن کر اردو ادب کی تاریخ میں چراغِ راہ کی حیثیت سے روشنی پھیلاتے رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر جمال، "ہری گھاس سُرخ گلاب"، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۲، ص ۵۸۔

۲۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۳۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۴۔ ایضاً، ص ۴۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۱۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔

۸۔ ایضاً، ص ۲۱۴۔

۹۔ جاوید شاہین، "اختر جمال کچھ یادیں کچھ باتیں" مشمولہ ماہنامہ "تخلیق" لاہور، جلد ۴۳، شمارہ فروری ۲۰۱۲، ص ۱۳۔

۱۰۔ ملک مقبول احمد، "اہلِ قلم کے خطوط"، مقبول اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۹، ص ۴۳۔

۱۱۔ طلعت گل، "اردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت"، نیو پبلک پریس دہلی، ۱۹۹۲، ص ۱۱۰۔

۱۲۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، "رپورتاژ نگار"، الوقار پبلشرز لاہور، ۲۰۰۴، ص ۸۸۳۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۸۳۔

۱۴۔ اختر جمال، "سمجھوتا ایکسپریس"، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۹، ص ۸۸۶۔

۱۵۔ اختر جمال، "حوا بیسویں صدی میں"، مشمولہ نقوش، شمارہ نمبر ۸۹، اگست ۱۹۶۱، ص ۲۴۰۔

۱۶۔ اختر جمال، "بابِ عفت" مشمولہ نقوش، شمارہ نمبر ۸۹، اگست ۱۹۶۱، ص ۱۴۲۔

References in Roman Script:

1. Akhtar Jamal, Hari Ghas Surkh Gulab, Maqbool Academy Lahore, 1992, Page 85.
2. Ibid, Page32
3. Ibid, Page 27
4. Ibid, Page 49
5. Ibid, Page 115
6. Ibid, Page 151
7. Ibid, Page 199
8. Ibid, Page 214
9. Javed Shaheen, Akhtar Jamal kuch yadain kuch batain, mashmoola mahnama Takhleeq, jild 43 shumara Feb 2012, Page 13.

10. Malik Maqbool Ahmed, Ehal qalam k Khatoot, Maqbool Academy, Lahore, 2009, Page 43.
11. Talat Gull, Urdu main rapootas nigari ki riwayat, new public press, Delhi, 1992, Page 110.
12. Dr. Zahoor Ahmed Awan, Rapootas Nigar", alwaqar publisherz laowr, 2004, Page 883
13. Ibid, Page 883
14. Akhtar Jamal, Samjhota Express, Maqbool Academy, 1989, Page 886.
15. Akhtar Jamal, Hawa Besvee Sadi main, mashmoola naqoosh, shumar number 89, August, 1961, Page 240.
16. Akhtar Jamal, Bab e Iffat, Mashmoola Naqoosh, shumara number 89, August 1961, Page 142